Open Access
Al Khadim Research Journal
Islamic Culture and Civilization
ISSN (ONLINE): 2710-0235
ISSN (PRINT): 2710-0227

ARJICC, Vol: 2, Issue: 2,
July to September 2021
DOI: 10.53575/arjicc.u7-v2.2(21)94-113
http://arjicc.com/index.php/arjicc

نظریہ وحدت الشہود کا تاریخی جائزہ اور اس کے اسباب واثرات

Historical Review of the Theory of Unity of Evidence and Its Causes and Effects

Muhammad Qasim*

Abstract
Hazrat Mujaddid Al-Fathani has promoted the theory of unity of witnesses. Not that he invented it. Because the concept of this ideology is found in the Sufis of the time before him. Who has spoken on this unity of witness and it has been formally invented by Sheikh Allawalullah Samnani (736 AH). Hazrat Mujaddid al-Fathani called this unity Wahdat al-Shuhud and brought it to its peak of perfection. And the mention of the causes and effects is such that in the time of Mujaddid, there were governments behind which, in one way or another, there was a religious identity of Ahl-e-Sunnat or Ahl-e-Shia. The effect of these conditions can be felt in the writings of Hazrat Mujaddid. The political changes that kept happening. Hazrat Mujaddid kept a close eye on them and various suggestions regarding commentary and correction of these conditions can be easily seen in the letters. Purified their character and action. He also sent letters to notable scholars and started a series of meetings for communication. For this purpose, you also spread caliphs in the country. In the same way, with the purity of character and morals and habits of the workers who strive for the revival of Islam, you have to fight against them in a masculine manner. Create the spirit of and the attributes of adopting measures to remove dangers and obstacles.
Keywords: Historical Review, Wahdat ul Shahood, Causes, Effects

تمہید:

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے نظریہ وحدت الشہود کی ترویج واشاعت کی ہے۔ نہ کہ اس کو ایجاد کیا ہے۔ کیونکہ آپؒ سے پہلے دور کے صوفیاء اکرام میں اس نظریہ کا تصور ملتا ہے۔ جنہوں نے اس وحدت الشہود پر بات کی ہے اور اس کی باقاعدہ ایجاد شیخ علاوالدولہ سمنانیؒ (736ھ) نے کی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس وحدت کو وحدت الشہود کا نام دیا اور اسے اوج کمال تک پہنچادیا۔ اور اسباب واثرات کا ذکر کچھ اس طرح ہے کہ حضرت مجددؒ کے زمانہ میں ایسی حکومتیں تھیں جن کے پیچھے کسی نہ کسی حوالہ سے مذہبی شناخت اہل سنت یا اہل تشیع موجود تھی۔ ان حالات کا حضرت مجدد کی تحریرات میں اثر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ جو سیاسی تغیرات رونما ہوتے رہے۔ حضرت مجددؒ نے ان پر گہری نظر رکھی ان حالات پر تبصرہ اور اصلاح واحوال کے حوالہ سے مختلف تجاویز مکتوبات میں بآسانی دیکھی جاسکتی ہیں۔ آپ نے اپنے مکتوبات کے ذریعے اپنے ارادت مند امرائے دربار کی فکری وشعوری تربیت کی۔ ان کے کردار وعمل کی تطہیر کی۔ قابل ذکر علماء کو بھی خطوط روانہ کئے اور رابطے کے لیے ملاقاتوں کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ اس مقصد کے لیے آپ نے اندرون ملک خلفاء بھی پھیلائے۔ اسی طرح آپ نے احیائے اسلام کی جدوجہد کرنے والے کارکنوں کی سیرت واخلاق اور عادات کی پاکیزگی کے ساتھ ان میں حرکت، جدوجہد، مقابلہ، مسابقت، مدافعت، بلند حوصلگی، عزم وجرات اور مشکلات وموانع کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کا جذبہ اور خطرات اور رکاوٹوں کو دور کرنے کی تدبیر میں اختیار کرنے کی

* Ph.D Research Scholar, The University of Faisalabad.
Email: qasim.vumcs@gmail.com, m.qasim2937@gmail.com

صفات پیدا کیں۔

پہلے صوفیاء کرام جن کا اس نظریہ پر ذکر ملتا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

1. حضرت جنید بغدادیؒ(215-297ھ)
2. حسین بن منصور حلاجؒ(244-309ھ)
3. ابو منصور ماتریدی(238-333ھ)
4. شیخ ابو سعید ابو الخیر قدس سرہ العزیز(356-440ھ)
5. سید علی بن عثمان ہجویریؒ(400-465ھ)
6. ابو اسماعیل ہرویؒ(متوفی 481ح)
7. امام غزالیؒ(450-505ھ)
8. عثمان بن ابی بکر بن یونس(570-646ھ)/1175-1249ء
9. حضرت شیخ ابو الحسن مغربی شاذلیؒ(591-656ھ)
10. شیخ علاؤالدولہ سمنانیؒ(659-736ھ)/1261-1336ء
11. حضرت خواجہ باقی باللہؒ(971-1012ھ)

حضرت جنید بغدادیؒ:

آپ کا نام و نسب ابو القاسم جنید بن محمد بن جنید الخزاز ہے۔ آپ کی ولادت 215ھ بغداد میں ہوئی۔ آپ کے والد شیشہ گری کا کام کرتے تھے۔ اس لیے قواریری کہلاتے تھے۔ آپ کے ماموں شیخ سر سقطی تھے۔ جو اپنے عہد کے عظیم الشان صوفی تھے۔ آپ کا شجرہ طریقت یہ ہے: حضور انور محمد ﷺ ، امیر المومنین سیدنا علی المرتضی، جواجہ حسن بصری، خواجہ حبیب عجمی، خواجہ داؤد طائی، خواجہ معروف کرخی، خواجہ سری سقطی، خواجہ جنید بغدادی۔ آپ کا وصال مبارک 297ھ میں ہوا۔ مزار بغداد میں مرجع خلائق ہے۔

صوفیاء کے امام حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ:

"التوحید افراد القدیم عن الحدث"[1]

ترجمہ: "توحید در حقیقت قدیم (واجب الوجود) کو حادث (ممکن الوجود اور اشیائے کائنات) سے جدا کرنے کا نام ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے قول کی تشریح یہ ہے کہ:

اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے۔ واجب الوجود ہے۔ وہ حادث نہیں ہو سکتی اور اس کے علاوہ ساری مخلوق حادث ہے۔ جو قدیم نہیں ہو سکتی ہے۔

مزید فرماتے ہیں کہ:

"اصرف همک الله عزوجل و ایاک ان تنظر بالعین التی بها تشا هد الله عزوجل الی غیر الله عزوجل فتسقط عین الله" [2]

ترجمہ: "یعنی اپنی ہمت کو اللہ عز و جل کی طرف پھیر اور بچ اس سے کہ جس آنکھ سے اللہ تعالی کو دیکھے۔ اسی آنکھ سے غیر اللہ کو دیکھے پھر خدا کی آنکھ سے گر جائے۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے حلاج کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"اے حسین! خدا ادراک سے ماوراء ہے۔ کوئی شے اس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ جب تم اس کی تعریف کرنے پر بھی قادر نہیں تو کس اتصال کی بات کرتے ہو۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ خدا ہر جگہ موجود ہے۔ ہر آن ہر ساعت تمہارے ساتھ موجود ہے۔ لیکن تمہاری یہ خواہش کہ وہ اور تم ایک ہو جاؤ۔ کامل ادراک سے بھی آگے جہاں بندے اور خدا میں کوئی فرق نہ رہے کوئی فاصلہ نہ رہے۔ تمہیں دار تک لے جائے گی۔ تمہارے اندر بے پناہ ممکنات ہیں۔" [3]

حضرت جنید بغدادی کے اقوال سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خدا تعالی کی ذات قدیم جبکہ دنیا کا وجود بعد میں اللہ تعالی نے بنایا ہے۔ انہوں نے دنیا کو حادث کا نام دیا ہے۔ جو قدیم یعنی اللہ تعالی سے الگ ہے۔ اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ یہی چیز نظریہ وحدت الشہود کی تائید کرتی ہیں کہ خالق اور مخلوق ایک نہیں ہو سکتے ہیں۔

حسین بن منصور حلاج:

حسین بن منصور حلاج 244ھ میں ایران کے شہر بیضا کے قریب ایک بستی قریہ طور میں پیدا ہوئے۔ یہ زمانہ خلافت، عباسیہ کی شان و شوکت کا دور تھا۔ اور آپؒ کا وصال مبارک 309ھ کو ہوا۔

طاسین التوحید میں لکھتے ہیں کہ:

"حق تعالی ایک ہے۔ یکتا ہے اور بے گانہ ہے۔ اسی کا ایک ہونا مسلم ہے۔ توحید، موحد کی صفت ہے۔ موحد جس کی توحید کی گئی اس کی صفت نہیں ہے۔ پس اس کو صورت موحد کہو، صفت موحد نہ کہو۔ اگر میں کہوں کہ توحید کی بازگشت موحد کی طرف ہے تو میں نے توحید کو مخلوق بنا دیا ہے کیونکہ موحد وہ ہے۔ جو عقیدہ توحید رکھتا ہے۔ عقیدہ رکھنے والا بہر حال مخلوق ہے اور اگر میں کہوں کہ توحید، موحد کی طرف لوٹتی ہے تو وہ جو اپنی ذات سے ایک ہو اس کو کسی کے ایک ثابت کرنے کی کیا ضرورت ہے چونکہ وہ یگانہ و یکتا ہے۔ اس لیے وہ توحید بھی جو ایک موحد کی صفت ہے اور اگر میں توحید کی نسبت موحد کی طرف کروں تو پھر میں نے ایک قسم کی حد بندی کر دی ہے اور وہ لا محدود ہے۔" [4]

اور طاسین الاسرار میں لکھتے ہیں کہ:

"اگر میں یہ کہوں کہ "توحید" اس سے پیدا ہوئی تو میں نے ایک ذات کو دو ذاتوں میں بدل دیا ہے۔ چونکہ جب ذات پیدا ہوئی تو ذات کی یکتائی نہ رہی اور وہ یگانہ و یکتا ذات ہے اور یہ اسی وقت تک ہے جب تک اس کے مقابلے میں کوئی ذات نہ ہو۔ اگر کوئی مقابلہ میں ذات ہو تو پھر یکتائی ذات کا تصور باقی نہیں رہتا۔" [5]

طاہر منصور فاروقی اپنی کتاب میں عاصم بیضاوی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے حلاج کو اپنے شاگردوں کو یہ لکھواتے سنا:

"بے شک اللہ کی ذات واحد ہے۔ قائم بنفسہ ہے۔ اپنے قدیم ہونے کی وجہ سے اپنے غیر سے منفرد ہے اور اپنی ربوبیت کی وجہ سے اپنے ماسوا متوحد ہے۔ کوئی شے اس سے عاجز نہیں ہو سکتی اور غیر اس سے مخالط نہیں ہو سکتا۔ مکان اس کا احاطہ نہیں کر سکتا اور زمان اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ فکر انسانی اس کا اندازہ نہیں کر سکتی اور تصور انسانی اس کی صورت نہیں بنا سکتا۔ نگاہ اسے دیکھ نہیں سکتی اور خطرہ اس کا خیال نہیں کر سکتا۔"[6]

اللہ تعالی ایک ہی ہے۔ جو یہ سارا نظام چلا رہا ہے۔ اللہ تعالی کی صفات اور انسانوں کی صفات میں بھی بڑا فرق ہے۔ یہ صفتیں بھی متحد نہیں ہو سکتی۔ اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو سارا نظام درہم برہم ہو جاتا تھا۔ چونکہ وحدت الوجود والے کہتے ہیں کہ ہر چیز خدا ہے۔ اگر ہر چیز خدا ہے تو ہمیں ہر چیز کی عبادت کرنی چاہیے۔ جبکہ عبادت کے لائق ایک اللہ تعالی کی ذات ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

ابو منصور ماتریدی:

ابن کلاب (متوفی 241ھ/855ء) ابتدائی دور کے (اہل سنت) عالم و متکلم تھے۔ انہوں نے اپنی ایک الگ تحریک چلائی جسے کلابیہ کہا گیا اور اس کے ساتھ جڑے لوگ کلابی کہلائے۔ بعد میں یہ لوگ اشعری کہلائے اور پھر اشعری ماتریدی ہو گئے۔ ماتریدیہ کے نزدیک وحدت الشہود یہ ہے کہ:

مفتی میاں عابد علی ماتریدی ماتریدیہ کے ہاں وحدت الشہود کا مفہوم اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

"اللہ تعالی کو ذات میں ایک سمجھا جائے۔ اس کا کوئی ہم سر کوئی حصہ دار اور کوئی شبیہ نہیں۔ وہ اپنی صفات میں یکتا ہے اور اپنے افعال میں اکیلا ہے۔"[7]

تمام افعال کو سرانجام دینے والی ذات اللہ تعالی ہی کی ہے۔ اس کے سوا کوئی ایسی ذات نہیں ہے جو یہ نظام چلا سکے۔ اس لیے ذات خداوندی میں کثرت نہیں ہے۔ وہ صرف اکیلا ہی سارا نظام قدرت چلا رہا ہے۔ اس کے فعل میں کسی اور کا کوئی دخل نہیں ہے۔

شیخ ابو سعید ابو الخیر قدس سرہ العزیز:

ابو سعید ابو الخیر مشہور ایرانی صوفی شاعر ہیں۔ آپ کا نام فضل اللہ ابو الخیر ہے اور کنیت ابو سعید ہے۔ اپ کی ولادت باسعادت محرم 356ھ /دسمبر 967ء کو نیشاپور میں ہوئی۔ آپ سلطان الوقت تھے۔ اہل طریقت کے جمال اور دلوں کے مکرم تھے۔ اس وقت کے تمام مشائخ ان کے گرویدہ تھے۔ آپؒ کا وصال مبارک 5 شعبان 440ھ/12 جنوری 1049ء کو ہوا۔

آپ فرماتے ہیں کہ:

"ان اللہ تعالی اجل من ایوصف او یذکر بذکر"[8]

ترجمہ: "خدا تعالی اس سے بلند تر ہے کہ کسی وصفت کے ساتھ موصوف کیا جائے یا کسی ذکر سے مذکور کیا جائے۔"

اللہ تعالیٰ کی ذات کو اس کے وصف سے پکارنا بھی اچھا نہیں ہے کیونکہ یہ اس ذات کے صفاتی نام ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ مجھے میرے نام سے پکارو۔ لہذا اللہ تعالیٰ کو اس کے صفاتی نام کی بجائے ذاتی نام سے پکارنا چاہیے۔

حضرت سید علی بن عثمان ہجویریؒ:

آپ کی ولادت 400ھ میں ہوئی۔ ہجویر اور جلاب غزنین کے دو گاؤں میں۔ شروع میں آپ کا قیام یہی رہا۔ اس لیے ہجویری اور جلابی کہلاتے ہیں۔ سلسلہ نسب حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔ روحانی تعلیم جنیدیہ سلسلہ کے بزرگ ابوالفضل محمد بن الحسن ختلیؒ سے پائی۔ مرشد کے حکم سے 1039ء میں لاہور پہنچے۔ کشف المحجوب آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ لاہور میں بھاٹی دروازہ کے باہر آپ کا مزار شریف ہے اور آپ کا وصال مبارک 465ء کو لاہور میں ہوا۔

حضرت سید علی بن عثمان ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ ازلی ہے اور تم سب فانی اور عارض مظاہر ہو تمہاری ذات کو اس کی ذات سے کوئی نسبت یا علاقہ نہیں ہے اور نہ ہی تمہاری صفات اس کی صفات میں کوئی مشارکت یا مماثلت ہے اور نہ قدیم اور حادث میں کوئی یگانگت یا علاقہ ہے۔"[9]

دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ:

"اس کی ذات کے لیے تغیر و تبدل ہے اور نہ کسی آفت کا صدور۔ کوئی مخلوق اس کی مانند نہیں ہے۔ سب کا وہی خالق ہے وہ باقی ہے۔"[10]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ رہنے والا ہے اور باقی سب دنیا ختم ہو جائے گی کیونکہ یہ فانی ہے۔ ان دونوں میں کوئی یگانگت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تغیر و تبدل سے پاک ہے۔ جبکہ انسان کے اندر چھوٹی عمر سے لے کر بڑھاپے تک تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ یہ ہی باتیں وحدت الشہود میں بیان کی گئی ہیں۔ جو کہ اس نظریہ کی عکاسی کرتی ہیں۔

ابو اسماعیل ہرویؒ: (متوفی 481ھ)

آپ کی ولادت 4 مئی 1006ء کو ہوئی۔ گیارہویں صدی میں ہرات (خراسان، موجودہ صوبہ ہرات افغانستان) کے رہنے والے حنبلی فقیر اور فارسی زبان کے مشہور صوفی شاعر تھے۔ اور آپ ایک نادر شخصیت، مفسر قرآن، راوی، مناظر اور شیخ طریقت تھے۔ جو عربی اور فارسی زبانوں میں اپنے فن تقریر اور شاعری کے باعث جانے جاتے تھے۔ آپ کا وصال مبارک 8 مارچ 1089ء کو ہوا۔

اس نظریہ وحدت الشہود پر متقدمین میں سے ابو اسماعیل ہرویؒ نے بھی گفتگو کی ہے۔ چنانچہ محتشم خاں تصوف تاریخ کی روشنی میں لکھتے ہیں کہ:

"تحریری طور پر یہ نظریہ (وحدالشہود) جزوا ابو اسماعیل ہروی (481ھ) نے پیش کیا۔"[11]

ہر صوفی نے اپنے اپنے دور میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ان کے خیالات یا تو نظریہ وحدت الوجود کی عکاسی کرتے ہیں یا وحدت الشہود کی عکاسی کرتے ہیں۔ ایسے ہی ابو اسماعیل ہروی کے خیالات وحدت الشہود کی حمایت کرتے ہیں۔

امام غزالیؒ (450-505ھ):

ابو حامد غزالی اسلام کے مشہور مفکر اور متکلم تھے۔ نام محمد اور کنیت ابو حامد تھی۔ جبکہ لقب زین الدین تھا۔ ان کی ولادت 450ھ میں طوس میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم طوس و نیشا پور سے حاصل کی۔ نیشاپور سے وزیر سلاجقہ نظام الملک طوسی کے دربار میں پہنچے۔ اور 484ھ میں مدرسہ بغداد میں مدرس کی حیثیت سے مامور ہوئے۔ جب نظام الملک اور ملک شاہ کو باطنی فدائیوں نے قتل کر دیا تو انہوں نے باطنیہ، اسماعیلیہ اور امامیہ مذاہب کے خلاف متعدد کتابیں لکھیں۔ اس وقت وہ زیادہ تر فلسفہ کے مطالعہ میں معروف رہے۔ ان کا یہ دور کئی سال تک قائم رہا۔ لیکن آخر کار جب علوم ظاہری سے ان کی تشفی نہ ہوئی تو تصوف کی طرف مائل ہوئے اور پھر خدا اور سول و حشر و نشر تمام باتوں کے قائل ہو گئے۔ ان کی مشہور تصانیف احیاء العلوم، تحافتہ الفلاسفر کیمائے سعادت اور مکاشفتہ القلوب ہیں۔ ان کا انتقال 505ھ کو طوس میں ہوا۔

آپ فرماتے ہیں کہ:

"اس حقیقت کا علم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالی قدیم وازلی ہے۔ اس سے پہلے کسی چیز کا وجود نہیں بلکہ وہی کائنات کا نقطہ آغاز ہے اور ہر مردہ، زندہ اور بے جان، جاندار سے پہلے موجود ہے۔ جس طرح یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالی ازلی و قدیم ہے۔ اسی طرح یہ حقیقت ہے کہ اس کی ذات والا صفات ابدیت سے بھی متصف ہے۔ بس وہی اول ہے اور وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے۔"[12]

اللہ تعالی کی ذات سے پہلے کسی چیز کا وجود نہیں ہے۔ ہر چیز کو اللہ تعالی نے اپنے حکم کے مطابق تخلیق کیا ہے۔ جس طرح اس کی ذات سب سے اول ہے۔ اسی طرح وہ ہی آخر ہے لہذا یہ ہی چیزیں اس نظریہ کی تائید کرتی ہیں کہ انسان ریاضت و مجاہدات کے ذریعے خدا نہیں ہو جاتا ہے بلکہ خدا تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔

عثمان بن ابی بکر بن یونس (570-646ھ)(1175-1249ء):

آپؒ لکھتے ہیں کہ:

"محقق را کہ وحدت در شہود است
نخستین دید بر نور وجود است
ولی کر بہ معرفت نور خدا دید
ہر چیز ہے کہ دید اول خدا دید"[13]

ترجمہ: "اس محقق کے لیے جس کے مشاہدہ میں وحدت ہے۔ اس کی نظر پہلے نور وجودی ہی پر پڑتی ہے۔ وہ ولی جس نے معرفت سے نور خدا دیکھا تو پھر اس نے جو چیز بھی دیکھی۔ اس میں خدا ہی کے جلوہ کو مشاہدہ کیا۔"

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہر چیز اللہ تعالی کے نور اور اس کے جلوہ گری کی مشاہدہ ہے اور جو چیز گواہی دے رہی ہے وہ مخلوق ہے۔

خالق نہیں ہے۔ خالق کا مقام وراالورا ہے۔

پھر لکھتے ہیں کہ :

"موجود حقیقی اور موثر مطلق سوائے خداوند عزوجل کے اور کوئی نہیں ہے اور باقی تمام افراد اور صفات و افعال کو اسی موجود حقیقی کی ذات و صفات اور افعال میں ناچیز جانے یعنی ہر ایک ذات کی روشن ذات مطلق کے نور سے سمجھے ہر صفت کو اسی نور مطلق کا پر تو خیال کرے اور جہاں کہیں علم، قدرت، ارادہ، سمع اور بصر پائے ہر ایک کو اسی کے علم، قدرت، ارادہ، سمع اور بصر کا اثر خیال کرے اسی طرح دوسرے افعال و صفات کو قیاس کرنا چاہیے۔"[14]

انسان کو اپنے افعال، صفات کی نسبت اسی کی طرف کرنی چاہیے۔ جس نے اس انسان کو تخلیق کیا ہے اور اس میں اپنی روح پھونکی ہے۔ وہ اسی کے حکم سے اپنے افعال سرانجام دیتا ہے۔ اگر اس کی ذات چاہے تو کچھ بھی کر سکتی ہے۔ اس ذات کے سامنے کسی دوسرے کی مجال نہیں ہے کہ وہ افعال کے ذریعے اس ذات کا مقابلہ کر سکے۔ لیکن وحدت الوجود میں ایسا ہوتا ہے جس سے متاثر ہو کر اس نظریہ وحدت الشہود کو پیش کیا گیا ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن مغربی شاذلیؒ (591-656ھ):

آپ کی ولادت 1196ء کو ہوئی۔ آپؒ کا پورا نام ابوالحسن علی بن عبداللہ بن عبدالجبار بن یوسف ابن ہرمز المغربی الشاذلی الشریف الحسنی ہے۔ آپؒ قطب اول سلسلہ شاذلیہ کے بانی بہت بڑے شیخ اور امت مسلمہ کے بڑے بزرگ ہیں۔ آپ کی وفات کا سال نومبر 1258ء ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن مغربی شاذلیؒ سے بھی نظریہ وحدت الشہود کا تصور ملتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ :

"انا لا نری مع الحق من الخلق احد وان کان ولا بدفکا لھباء فی الھواء ان فتشبه لم تجد شیئا"[15]

ترجمہ: "ہم خدا کے ساتھ کسی مخلوق کو کچھ بھی نہیں دیکھتے اور اگر ضروری ہو تو ایسا دیکھتے ہیں جیسا کہ ایک ذرہ ہوا میں ہوتا ہے اگر اس کی تفتیش کرو تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔"

اللہ تعالیٰ کی ذات کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے۔ انسان کو ایک ذرہ جو ہوا میں ہوتا ہے اس سے تشبیہ دی گئی ہے۔ لیکن اگر دیکھا جائے تو اس ذرے کی بھی ہوا میں قدر و قیمت نہیں ہوتی ہے۔ تو پھر یہ انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیسے مل جل سکتا ہے اور حلول و اتحاد کر سکتا ہے۔ اس سے اخذ ہوتا ہے کہ انسان بھول کر بھی اپنے آپ کو اس ذات کے برابر نہ جانے۔

شیخ علاوالدولہ سمنانیؒ (736ھ):

رکن الدین علاالدولہ سمنانی ساتویں صدی ہجری کے ایک صوفی بزرگ و شاعر تھے۔ جن کی پیدائش 569ھ کو ایران کے شہر سمنان میں ہوئی۔ وہ دین اسلام میں میانہ روی کے حامی تھے۔ میر سید علی ہمدانی اور سلسلہ اشرفیہ کے بانی مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی نے بھی اوائل عمر میں حضرت علاؤلدولہ سمنانی سے کسب فیض لیا۔ آپ کی وفات 736ھ کو ہوئی۔

ابن عربی کے عقیدہ وحدت الوجود کے مقابل شیخ علاوالدولہ سمنانی نے وحدت الشہود کا عقیدہ وضع کیا۔
آپؒ فرماتے ہیں کہ :

"فوق عالم الوجود عالم الملک الودود" 16

مذکورہ قول گرامی میں وجود اور ودود کو ہم وزن تزئین جملہ کے لیے لایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وجود کائنات، ذات ودود جل سلطانہ کا عین نہیں کیونکہ ذات ودود حق تعالی کا عین ہمہ اوست ہے۔ حضرت شیخ علاوالدولہ سمنانیؒ نے اس نظریہ کے مقابلے میں ہمہ ازاوست کا نظریہ پیش فرمایا۔

شیخ علاوالدولہ سمنانی کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ایک مکتوب بھی ہے۔ جس سے اس نظریہ کی تائید ملتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ :

"کتب حقائق ومعارف علی الخصوص سخنان توحید وتنزلات مراتب نمی تواند مطالہ کرد خود را وابن باب بحضرت شیخ علاوالدولہ بسیار مناسب یی ابدو در ذوق وحال درین مسئلہ مشار الیہ متفق است"17

ترجمہ: "میں نے حقائق ومعارف اور خصوصا توحید وتنزلات مراتب پر مشتمل کتابوں کا مطالعہ کیا۔ لیکن مجھے اپنے خیالات کی شیخ علاوالدولہ سمنانی (736ھ) سے زیادہ مناسبت معلوم ہوتی ہے اور وہ اس مسئلہ (توحیدی شہودی) میں اپنے ذوق وحال کے مطابق شیخ سمنانی سے متفق ہیں۔"

محمد انور علی سہیل فریدی لکھتے ہیں کہ :

"حضرت ابن عربی کا نظریہ وحدت الوجود کے مقابل حضرت شیخ علاوالدولہ سمنانی متوفی 736ھ نے وحدت الشھود کا نظریہ پیش کیا۔ وحدت الشہود کے مطابق ساری کائنات خدا کا ظل یا سایہ ہے۔"18

اس کا مطلب یہ ہے کہ ذات اور کائنات ایک نہیں بلکہ کائنات اس ذات کے اسماء وصفات کے ظلال کا مظہر ہیں اور یہ ساری کائنات اللہ تعالی کا عکس اور پرتو ہے۔ اس کے علاوہ جو بات وحدت الشہود کی حمایت میں ہے۔ خود حضرت مجدد الف ثانیؒ کے قول کی تشریح سے پتہ چل رہا ہے کہ حضرت شیخ الدولہ کے خیالات اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خیالات ایک جیسے ہیں اور حضرت مجدد الف ثانیؒ، شیخ الدولہ کے خیالات سے متفق ہیں۔

اور اس بات پر اتفاق کرتے ہوئے ابوالبیان محمد سعید احمد مجددیؒ لکھتے ہیں کہ :

"حضرت امام ربانی، حضرت ابن العربی کے علوم توحید کے مقابلے میں حضرت شیخ سمنانی کے توحیدی علوم و معارف کے ساتھ متفق ہیں۔"19

حضرت شیخ سمنانی نے حضرت ابن العربیؒ کے شریعت مطہرہ سے بظاہر متصادم علوم ومعارف کے متعلق سخت اختلاف کے باوجود ان کی بزرگی اور ان کے روحانی کمال کا اعتراف بھی کیا ہے۔

شیخ کمال الدین عبدالرزاق کاشیؒ اور شیخ علاوالدولہ سمنانیؒ:

شیخ کمال الدین عبدالرزاق کاشیؒ، شیخ نورالدین عبدالصمد کے مرید ہیں۔علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔آپ کی تصنیفات بہت ہیں۔ جیسے تفسیر تاویلات، کتاب اصطلاحات صوفیہ شرح فصوص الحکم شرح منازل السائرین وغیرہ۔

شیخ رکن الدینؒ علاوالدولہ قدس اللہ سرہ کے معاصر تھے اور ان میں وحدت وجود کے قول میں مخالفات مباحثات رہے ہیں اور اس معنی میں ایک دوسرے کو خطوط لکھے ہیں وحدت الوجود کے بارے میں ایک خبر شیخ کمال الدین عبدالرزاق کو پہنچی تو شیخ رکن الدین علاوالدولہ کی طرف انہوں نے خط لکھا اور پھر شیخ علاوالدولہ نے اس خط کا جواب لکھا۔اس خط کا جواب شیخ علاوالدولہ نے اس طرح لکھا کہ اسی خط کی پشت پر اس کا جواب تحریر کر کے کاشان میں بھیج دیا۔اس جواب کی تحریر یہ ہے:

"---والحمد علی المعارف التی ھی تطابق الواقع عقلا ونقلا بحیث لا یمکن للنفس تکذ یبھا و للشیطان تشکیکھا و تطمئن القلوب علی وجوب وجود الحق، وحد نیة و تزاھت و من لھم یو من بو جوب وجود فھو کافر حقیقی و من لم یو من بواحد نیة فھو مشرک حقیقی و من لم یو من بنزا ھة من جمیع ما یختص به المکن فھو ظالم حقیقی الا ینسب الیه مالا یلیق بکمال قدسه والظلم و ضع الشئی فی غیر موضعه لذلک لعنھم اللہ فی محکم کتاب لقوله الا لعنة اللہ علی الظالمین سبحانه و تعالی عما یصضه به الجاھلون۔"[20]

ترجمہ: "خدا کی تعریف ہے۔ان معارف پر کہ جو واقع کے مطابق ہیں۔عقلا نقلا اس طرح کہ نفس کو ان کی تکذیب اور شیطان کا شک میں ڈالنا ممکن نہیں دل خدا کے وجود وجوب اور اس کی توحید اور تنزیہ پر اطمینان پا لیتے ہیں اور جو شخص اس کے واجب الوجود ہونے کا منکر ہے۔وہ حقیقی کافر ہے اور جو اس کی توحید کا منکر ہے وہ حقیقی مشرک ہے اور جو اس کی ایسی پاکیزگی پر جس کے ساتھ ممکن خاص ہے ایمان نہیں رکھتا تو وہ ظالم حقیقی ہے۔کیونکہ خدا کی طرف وہ بات منسوب کرتا ہے کہ جو اس کے کما قدس کے لائق نہیں اور ظلم اس کا نام ہے کہ شے کو اس کے غیر محل میں رکھا جائے۔اس لیے خدا نے ان کو اپنی کتاب میں لعنت کی ہے۔جیسے فرمایا کہ لعنت ہو ظالموں پر وہ اللہ تعالی ان باتوں سے پاک ہے۔ جن کے ساتھ جاہل لوگ اس کا وصف کرتے ہیں۔

اس بحث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالی کی ذات جو کہ واجب الوجود ہے۔اس کو نہ ماننے والا کافر ہے۔اس کی توحید پر بھی ایمان رکھنا چاہیے۔ لیکن ہمیں ایسی چیزیں اس ذات کی طرف مائل نہیں کرنی چاہیے۔ جس سے اس کی توحید اور ذات پر حرف آتا ہو۔ لہذا ہمیں خدا کی طرف کوئی ایسی بات منسوب نہیں کرنی چاہیے جو اس کی شان کے خلاف ہو۔ان چیزوں کو اس کی ذات سے الگ کرنے کا نام وحدت الشہود ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہؒ:

آپؒ سلسلہ نقش بندیہ کے بزرگ ہیں۔ جو اپنے نام خواجہ بیرنگ سے بھی مشہور ہیں۔ آپ کی ولادت 971ھ کو کابل (افغانستان) میں ہوئی ۔آپ کی وفات 1012ھ کو بھارت میں ہوئی۔

حضرت مجدد الف ثانی کے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ بھی توحید شہودی کے قائل تھے اور بوقت رحلت آپؒ نے اس نظریہ کی تائید فرمائی:

"مارا بہ یقین معلوم شدہ است کہ توحید کوچہ
تنگ است شاہرہ و دیگر است "[21]

ترجمہ: "ہمیں یقین کے ساتھ معلوم ہو گیا ہے کہ توحید (وجود) ایک تنگ کوچہ ہے۔ شاہراہ کوئی اور ہی ہے۔"

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی لکھتے ہیں کہ:

"مجدد نے وحدت الوجود کی بجائے وحدت الشہود کا جو نظریہ پیش و رائج کیا۔ وہ دراصل خواجہ ہی کی راہنمائی و تعلیم کا نتیجہ تھا۔"[22]

آپؒ نے ایک رسالہ توحید پر لکھا ہے۔ جس کا نام "مختصر بیان توحید" ہے۔ اس رسالے میں توحید کا بیان مجمل طریقے سے بیان کیا ہے اور آیات واحادیث کے اقتباسات سے پر ہے۔ اس رسالہ میں توحید کی تعریف لکھتے ہیں کہ:

"توحید یہ ہے کہ نہیں موثر وجود میں کوئی شے سوائے اللہ کے۔ یعنی اپنی ساری قدرت کو خدا سے منسوب کرنا اور اپنے آپ کو قدرت سے خالی کرنا۔"[23]

آپؒ کے مطابق اللہ تعالی کی ذات قدیم ہے۔ جو ازل سے موجود ہے جبکہ یہ دنیا حادث ہے جو کہ مخلوق ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ:

"توحید قدیم کو حادث سے الگ کرنے کا نام ہے۔"[24]

مزید آپ لکھتے ہیں کہ:

"الوہیت میں ایسی ذات کا اعتقاد رکھے کہ عرصہ امکان میں کسی طرح کوئی اس کا مثل نہ ہو ورنہ اس کا معتقد ممکنہ ہو جائے گا۔"[25]

اور کلیات باقی باللہ میں اس طرح ذکر ہے کہ:

ماصورت و حق آئینہ عکس نما است
ایں است معیتے کہ حق را باما است
ہر صورت در ظہور شرط و گریست
ایں نسبت اسباب ازیں رو پیدا است [26]

اور رود کوثر میں ہے کہ:

"مجھے عین الیقین ہو گیا ہے کہ توحید ایک تنگ جو چہ ہے۔ اس کے علاوہ ایک دوسری شاہراہ بھی ہے جس کو میں پہلے بھی جانتا تھا مگر اب اس کا یقین حاصل ہو گیا ہے۔"[27]

وحدت الاوجود میں خالق ومالک کا امتیاز ہی سرے سے ہٹ جاتا ہے اور عملی نتیجہ رہبانیت یا فرار کے سوا کچھ برآمد نہیں ہوتا اور تخلیق کائنات کا نہ کوئی مقصد باقی رہ جاتا ہے نہ معانی! بس یہی کہ "رام تیری لیلا ہے"! لیکن بصورت دیگر (وحدت الشہود میں) اللہ اور بندے کا خاص رشتہ ہے اور پابندی شریعت اس رشتہ کی استواری کا ذریعہ ہے۔ یہ ہمہ گیری مسلک نقشبندیہ ہی میں دکھائی دیتی ہے اور ہندوستان میں اس کی وسیع پیمانے پر ترویج اگرچہ حضرت مجدد الف ثانی کا کارنامہ ہے۔ لیکن اس کی تخم ریزی کا فرض خواجہ باقی باللہ ہی نے انجام دیا۔ اور اگرچہ آپ خود تادیر "وحدت الوجود" کے حیرت خانے میں بھی رہے لیکن اس وقت بھی آپ "وحدت الشہود" کی طرف مائل ضرور تھے۔ اور "انا الحق" کا نعرہ آپ کے نزدیک تب بھی "نابینائی" کی دلیل تھا۔ چنانچہ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ :

"اما از اختلاط بصوفیان جاہل احتراز نمائی۔۔۔۔۔ ہر گاہ کلمہ لا الہ الا اللہ را بگوئی در دل بیندیشی کہ نیست معبود غیر او، بد آنکہ ہر چہ محبوب و مقصود تست ہماں معبود تست وہر چہ ہوائے تست خدائے تست۔۔۔۔۔ پس بر تو باد کہ سعی کنی کہ اولا حضرت خود را در تو بے تو ظاہر ساز دتا چوں دراں مقام استقامت بیابی، ہم تفصیل اور در ہمہ بے ہمہ ہمہ اور ایابی وحق را از باطل امتیاز وہی نہ آنکہ چوں نابینایاں ہمہ را خدادانی وخدا گوئی وصیت دیگر آنکہ باہر کہ در باطن او طلب معرفت الٰہی نیست صحبت نداری داز علما دنیا کہ علم را وسیلہ جاہ وتفاخر وزبان آوری ساختہ اند چناں اجتناب نمائی کہ آدمی از شیر۔"[28]

اس بحث سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نظریہ وحدت الشہود کے موجد نہیں ہیں بلکہ آپ اس نظریہ وحدت الشہود کی تعبیر و تشریح اور ترویج واشاعت کرنے والے ہیں۔ کیونکہ اس نظریہ وحدت الشہود کے تصور وایجاد کے بارے میں پہلے صوفیاءِ اکرام کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہاں تک کہ قرآن وحدیث میں بھی اس کا تصور پہلے سے موجود ہے۔

نظریہ وحدت الشہود کے اسباب واثرات

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا اصل مقصد الحاد اور غلط طریقوں پر تنقید کرنا، وحی، نبوت، اچھائیوں، نیکیوں اور اتباع سنت کا احیا کرنے اور اسلام کے مخالف عناصر اور قوتوں کے خلاف جہاد تھا۔ آپؒ نے ساری ذہنی طاقتوں کو اس مقصد کے لیے وقف کر دیا تھا۔ انہوں نے سماج کے ہر طبقے عوام، علماء، صوفیاء اور حکمران طبقہ کی اصلاح کے لیے بھرپور کوشش کی۔

اور اس بارے میں آباد شاہ پوری لکھتے ہیں کہ :

"آپ کا کام سہ جہتی تھا۔ ایک طرف آپ نے کتاب وسنت کی دعوت دی اور شرک وبدعات کے خلاف جدوجہد کی۔ دوسری طرف علمائے سوء کے فتنوں کے خلاف محاذ کھولا اور تصوف کو عجمی خرافات سے پاک کرنے کی کوشش کی اور تیسری طرف اقتدار کا رخ بے دینی سے موڑنے اور اکبر کے خود ساختہ، پرداختہ دین جدید کو ختم کرنے کی سعی وجہد کی۔"[29]

آپ کے ہمہ جہتی کام کے اثرات اور ضرورت واہمیت کا اندازہ درج ذیل نکات سے لگایا جاسکتا ہے۔

سیاسی اسباب واثرات:

نقشبندی سلسلہ میں سیاسی ماحول پر اثر انداز ہونے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ احکام شریعت پر سختی سے پابندی اور سلسلہ کی اصطلاح "خلوت در انجمن" سے اس سلسلہ کے سیاسی مزاج کو بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی کاوشوں کے نتیجہ میں خسرو کی بجائے جہانگیر تخت نشین ہوا۔ جہانگیر اسلام کے معیار پر پورا تو اترتا تھا لیکن اس کے بر سر اقتدار آنے سے مطلوبہ معیار تک پہنچنے کے لیے ایک راہ نکل آئی۔ جہانگیر کی پالیسی اسلام کی مخالفت میں نہ تھی۔ بلکہ غیر جانبدار رہی اور یہی غیر جانبداری شاہجہاں کے عہد میں اسلام کی حمایت اور ہمدردی میں تبدیل ہو گئی۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ادھوری تبدیلی تھی لیکن حضرت مجددؒ نے کفر والحاد کے مقابلہ میں جو شمع روشن کی تھی وہ برابر ضیاء پاشی کرتی رہی۔ یہی روشنی بڑھ کر ایک منارہ نور کی حقیقت اختیار کرتی ہے اور نتیجتاً عالم گیر کی کامیابی نے تاریخ کے دھارے کو بالکل اسلام کی سمت میں موڑ دیا۔

قاضی جاوید لکھتے ہیں کہ:

"اورنگ زیب عالم گیر نے بر سر اقتدار آنے کے بعد سرکاری حکمت کی اساس ان اصولوں پر رکھی جنہیں شیخ احمد سرہندیؒ نے دفع کیا تھا۔ یہ اصول فلسفہ وحدت الشہود سے اخذ کئے گئے تھے"[30]

عالم گیر کی اسلام پسند پالیسیوں کی بناء پر ہندو اس سے نالاں تھے۔ حکومت کے اسلامی رجحان کو ہر متعصبانہ نظر سے دیکھا اور مغلیہ سلطنت کے زوال کا سبب گردانا۔ جب عالم گیر نے ہندوستانی بادشاہ ہونے سے زیادہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھا تو مغلیہ سلطنت کو زوال آنے لگا۔ اکبر اور کسی حد تک اس کے جانشینوں کو برباد کر دیا گیا۔ گویا عالم گیر نے اکبری الحاد کو روکا الغرض شیخ احمد سرہندیؒ کی ذات گرامی نے برصغیر میں سب سے پہلے دو قومی نظریہ کا شعور پیدا کیا۔ جس سے آپ کا مقصد دراصل ہمیشہ کے لے ہندو مسلم کے انضمام کا دروازہ بند کرنا تھا تا کہ مستقبل بعید میں بھی کسی موڑ پر مسلمان ایک خطہ زمین میں رہنے کی وجہ سے ہندوؤں کے ساتھ اتحاد کر کے متحدہ قومیت کے نظریہ کی تشکیل نہ کریں اور یہی نظریہ قیام پاکستان کا سبب بنا۔ گویا اس نظریہ نے ہندوستان کی اسلامی سلطنت اسلام کو لوٹا دی۔

برصغیر کی سیاسی و مذہبی شخصیات پر حضرت مجدد الف ثانی کے اثرات کی ضرورت واہمیت کا جائزہ لیتے ہوئے پروفیسر عزیز احمد لکھتے ہیں کہ:

"قریب قریب ہر دور میں مسلمان، ہندوستانی طباع وذہین رہنما سید احمد خاں، اقبال اور ابوالکلام آزاد، اگرچہ سیاسی اور مذہبی مسائل کے تلاش کرنے میں ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ لیکن شیخ احمد سرہندی سے سبھی متاثر تھے۔"[31]

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے کارنامے پر بحث کرتے ہوئے ماہنامہ حکمۃ القرآن میں کچھ اس طرح بحث ہوئی ہے:

"سیاسی اعتبار سے بھی حالات کو صحیح رخ پر موڑنے کی کوشش کی۔ جاگیر داری کا دور تھا۔ کوئی پنج ہزاری منصب دار تھا تو کوئی دس ہزاری اور کوئی بیس ہزاری۔ آپ نے ان سے رابطے کئے وہ دور عوامی جدوجہد کا دور تو تھا نہیں کہ احتجاجی جلسے اور جلوس منعقد کئے جاتے۔ وہ تو دور

ملوکیت تھا۔ آپ نے حالات کا بغور مطالعہ کیا اور حسن تدبیر سے تخت اقتدار کے پایوں تک رسائی حاصل کر لی اور دین اکبری ختم کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس مرد درویش نے اس دین اکبری کا جنازہ نکالا کہ آج اس کا کوئی نام لیوا بھی موجود نہیں۔ آپ نے مسلمانوں کا علیحدہ قومی تشخص واضح کیا اور توحید باری تعالی کے ساتھ رسالت پر ایمان لانے اور اسوہ رسول کو نشان منزل بنا کر جد وجہد کرنے کی اہمیت کو مسلمانوں کے اندر بحال کیا۔"[32]

شیخ مجدد کو جہانگیر کی تخت نشینی سے مسرت ہوئی، لیکن انہیں یقین نہیں تھا کہ جہانگیر اپنے وعدے کو پورا کر سکے گا یا اگر وہ کرنا بھی چاہے تو اسکو اس کام کا صحیح طریقہ معلوم نہ ہوگا۔ اس لیے شیخ مجدد نے شریعت سے جہانگیر کے تعلق کو مضبوط کرنے اور اس تک صحیح مشورہ پہنچانے کی کوشش کو اپنا مطمح نظر بنایا۔ شیخ کو ان عناصر کی مخالفت کا بھی اندیشہ تھا جو اگرچہ دب گئے تھے لیکن ختم نہیں ہوئے تھے۔ صورت حال کے اس تجزیہ کے بعد انہوں نے جہانگیر کے قریبی بڑے عہدیداروں کو خطوط لکھے اور انہیں اسلام اور مسلمانوں کی قابل رحم حالت کے بارے میں بتا کر فوری کاروائی کی ضرورت کا احساس دلایا۔ مثال کے طور پر جہانگیر کے استاد اور ملک کے صدر الصدور صدر جہاں کے نام ایک خط میں انہوں نے لکھا:

"اب جبکہ صورتحال بدل چکی ہے، لوگوں کی عداوتیں کم ہو چکی ہیں، اسلام یز عماء، صدر اسلام اور علماء اسلام پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ شریعت کو نافذ کرنے کی کوشش کریں، اسلام کے وہ ارکان جو منہدم ہو گئے ہیں ان کو دوبارہ رائج کریں، مجھے اس بات کا شدید احساس ہے اگر بادشاہ شریعت مصطفویہ کے نفاذ کے باری میں کوشاں نہ ہو اور وقت کی اسی طرح گزار دینا چاہیں تو آگے چل کر عام مسلمانوں کے لیے، جنہیں کوئی قوت حاصل نہیں ہے، زندگی دشوار ہو جائے گی۔"[33]

ایک دوسرے درباری امیر خان جہاں کے نام انہوں نے لکھا:

"جب بادشاہ آپ کی بات غور سے سنے اور اس کو اہمیت دے تو آپ انہیں اہل سنت والجماعت کے عقائد مختصر یا تفصیل کے ساتھ بیان کر دیں تو یہ بڑی بات ہو گی، براہ کرم بادشاہ کو شریعت محمدیہ ﷺ کے بارے میں بتائیے، اسلام اور مسلمانوں کے دفاع میں جب کوئی موقع ملے تو اس کو ہاتھ سے نہ جانے دیجئے، اسلام کے اصولوں کا دفاع کیجئے اور بدعت و گمراہی پر تنقید کیجئے۔"[34]

اس کے علاوہ شیخ مجدد نے مختلف صوبوں کے اعلی حکام کو بھی اپنے حلقہ اثر میں اسلام کو نافذ کرنے کی طرف متوجہ کیا۔

علماء پر اسباب و اثرات:

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحریک کے علماء پر اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر برہان احمد فاروقی لکھتے ہیں کہ:

"شیخ مجدد الف ثانیؒ سے پہلے علم دین کے معنی فقہ رہ گئے تھے۔ لیکن شیخ مجددؒ کے اثر سے اس کا رخ کتاب و سنت کی طرف پھر گیا اور حدیث کا چرچا شروع ہوا۔"[35]

شاہ ولی اللہؒ اور آپ کے خاندان نے برصغیر میں علم حدیث کے فروغ کے لیے جو کارہائے نمایاں انجام دئے وہ حضرت مجددؒ کے اثرات تھے۔

اس خاندان کے اکثر بزرگ مجددی سلسلہ میں بیعت تھے اور سلسلہ مجددیہ کے بزرگوں میں سے کئی نے سند حدیث خاندان شاہ ولی اللہ ہی سے لی اور اس طرح آپ کے زیر اثر صوفی محدثوں کی ایک جماعت تیار ہوئی۔

تصوف پر اسباب و اثرات:

حضرت مجددؒ کے منطق اور الہیاتی دلائل کی بجائے اپنے روحانی تجربات کی بناء پر نظریہ وحدت الشہود پیش کیا۔ جس سے جنوبی ایشیاء میں راسخ الاعتقاد مسلم فکر کو نظریاتی اساس فراہم کی اور تصوف کو مذہب کے تابع کر دیا۔ مابعد کے ہندی مسلم فکر اور تصوف پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ نظریہ وحدالوجود ہندو مسلم آزاد خیالی کی بنیاد تھا حضرت مجددؒ نے گویا آزاد خیالی کا منبع تلاش کر کے اس پر بھرپور وار کیا اور اسلامی حکومت کے قیام، ہندوؤں سے عدم مفاہمت اور اسلامی ہند کی تعمیر کے لیے راہ ہموار کی۔ اس کے بعد علامہ اقبالؒ کے تصور خودی کی بنیاد بھی یہی نظریہ بنا۔

"شریعت و طریقت کی قلمی، لسانی جنگ جو پانچویں صدی کے شروع سے عہد مجدد تک جاری تھی۔ آپنے اسے مصالحت میں بدل دیا اور صوفیہ اور فقہاء کے چھ سو برس کی باہمی دست و گریبانی کا خاتمہ ہوا اور مدرسہ و خانقاہ کی باہمی آویزش انجام کو پہنچی۔"[36]

علامہ اقبال کے ذہن میں وہ مخصوص حالات اور تقاضے بھی تھے جن میں حضرت مجددؒ نے کام کیا اس عقیدت کی وجہ سے اقبال نے اپنے خطوط و مضامین و واقعات، تقریر، اردو شاعری میں بھی آپ کا ذکر کیا ہے۔

اردو ادب پر اسباب و اثرات:

اردو زبان کی تخلیق و اشاعت کے مراحل میں بھی آپ کے خاندان اور وابستگان نے اہم کردار ادا کیا۔ نجم الاسلام کے یہ الفاظ قابل توجہ ہیں:

"اورنگزیب کے بعد جب علمائے ہند نے فارسی کی بجائے اردو کو اپنی علوم کی درس و تدریس اور نشر و اشاعت کا ذریعہ بنانے کی کوشش شروع کی تو شیخ مجددؒ کے سلسلہ کے بزرگوں نے اردو شاعری کو ہندی اثرات سے پاک کرنے میں نمایاں حصہ لیا۔ اس دور کے نقش بندی بزرگوں میں شاہ گل و مظہر جاناں جاناں، شاہ غلام علی دہلوی، شاہ عبدالغنی مجددی، شاہ سعد اللہ گلشن، خواجہ محمد ناصر عندلیب اور خواجہ میر درد وغیرہ اس سلسلے کے اہم نام ہیں۔"[37]

حضرت مظہر پہلے شاعر ہیں جنہوں ے اردو شاعری کو ابہام سے پاک کرنے کی کوشش کی۔ اس جدوجہد کے پس منظر میں شیخ مجدد کے بزرگوں کی سعی جمیلہ واضح طور پر نظر آتی ہے۔ شیخ مجددؒ اور غیر اسلامی عناصر کے خلاف شدت اور پختگی صاف نظر آتی ہے۔ ورنہ کیا وجہ تھی کہ جس زبان کی شاعری بھاشا کے دوہڑوں کی کیت کی طرز پر پلی تھی۔ اس سے ایک قلم بھاشا پن خارج کر دیا گیا۔ درد نے اردو شاعری میں جو تصوف کا تصور دیا وہ نہ فارسی شاعری کا ایرانی تصوف تھا نہ ہندو جوگیوں کے متبذل مسئلہ کثرت میں وحدت کا عکس تھا۔ تلمسانی شطحیات و خرافات سے اس کا تعلق تھا نہ غالب کی نقل پسندی اور ذہنی ورزش سے۔ یہ شیخ مجدد کی احیائی تحریک کا اصلاح یافتہ تصوف تھا۔ جسکی بنیاد توحید محمدی اور تزکیہ نفس یا دوسرے الفاظ میں قرآن کے تصور احسان پر مبنی تھی۔

نقش بندی شعراء اردو شاعری کی مقصدیت سے معمور کرنے کے لیے ایک نئے دبستان کی بنیاد رکھی۔ سنجیدہ گوئی کا یہ وہ رجحان ہے جو آئندہ دور میں مرزا مظہر جان جاناں کے زیر اثر ایک تحریک بن کر ابھرتا ہے۔

حضرت مجددؒ کی تحریک اور فکر نے ہر شعبہ حیات پر اثر ڈالا۔ مذہبی، سیاسی، معاشرتی اور ادبی غرضیکہ تمام شعبہ ہائے حیات کی تطہیر شریعت اسلامیہ کے ذوق، مزاج کے مطابق کی گئی۔ جس کے نتیجہ میں ایک فکری انقلاب رونما ہوا۔

برصغیر پاک وہند کی تاریخ کا اگر گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی تقریباً ہر قوم نے بوجہ کثیرہ اس طرف مراجعت کی۔ برصغیر ہر لحاظ سے دنیا کا مرکز رہا اور پھر یہ مذاہب عالم میں ہر ایک نے یہاں اپنی اپنی قسمت آزمائی کی۔ لیکن ہندو مذہب ہر مذہب کے مختلف انداز سے ہضم کرتا جارہا تھا۔ اس طرح دیگر مذاہب اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔ لین دین اسلام کا معاملہ اس سے بالکل مختلف رہا۔ اسلام نے برصغیر کے مذہب، تمدنی، اقتصادی، معاشرتی اور سماجی وسیاسی حالات پر گہرا اثر ڈالا۔

"اپنے ظاہر کو شریعت سے اور اپنے باطن کو باطن شریعت سے آراستہ کریں اور حقیقت اور طریقت دونوں شریعت ہی کی حقیقت ہیں۔ نہ کہ شریعت اور ہے اور طریقت و حقیقت کچھ اور علیحدہ علیحدہ کرنا الحاد اور زندقہ ہے۔"[38]

جس کی وجہ سے ہندو قوم میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔

"محمد بن قاسم کی فتوحات کے باعث ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان عداوت اور بڑھ گئی۔ ہندو اپنی نسلی و علمی اور سیاسی برتری کے گھمنڈ میں اس طرح مبتلا ہیں اور کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔"[39]

اور اس نے مختلف طریقوں سے اسلام کے انہدام کے لیے کاروائیاں شروع کر دیں۔ ان انتقامی کاروائیوں میں ایک طرف اسلام کے سیاسی زور کو توڑنے کے ہے معاشرے میں تخریب کاری و قتل و غارت، سیاسی بے چینی اور امن وامان کا مسئلہ پیدا کیا تو دوسری طرف مذہبی سطح پر مسلمانوں کو تبدیل کرنے کے لیے ایسی تحریکیں اٹھائی گئیں جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے تشکیک کا راستہ اختیار کیا گیا۔ ہندو راجاؤں نے سیاسی طور پر برصغیر کے تقریباً تمام حکمرانوں کے ساتھ پنجہ آزمائی کی۔ لیکن ہر دفعہ منہ کی کھانی پڑی اور شکست فاش ہوئی۔

اس کے بعد ان کے نام نہاد دانشوروں نے سوچا کہ اب سیاسی میدان کو چھوڑ کر کوئی ایسا کھیل کھیلا جائے کہ مسلمان حقیقی مسلمان نہ رہے۔ اس کی زبان پر اسلام کا کلمہ تو ہو مگر دل و دماغ سے روح اسلام نکل جائے۔ اس کام کے لیے انہوں نے ہندوؤں کی فلسفیانہ تنظیمیں بنائیں اور تحریکیں چلائیں۔

"کفار ہند بے تحاشا مسجدوں کو منہدم کر کے ان کی جگہ اپنے مندر تعمیر کر رہے ہیں۔ چنانچہ تھانی سسر میں حوض کے کھیت کے کنارے ایک مسجد تھی اور ایک بزرگ کا مقبرہ تھا۔ اس کو گرا کر اس کی جگہ بڑا بھاری مندر بنایا گیا ہے۔ کفار اپنی رسوم کو اعلانیہ بجالاتے ہیں اور مسلمان اکثر اسلامی احکام کو جاری کرنے میں عاجز ہیں۔"[40]

ان کے اس فلسفے کا مقصد مساوات اور رواداری کے پردے میں اسلامی تعلیمات کو کھوکھلا کرنا تھا۔ ان تحریکوں نے اپنا کام یوں تو بہت پہلے سے شروع کیا تھا لیکن بدقسمتی سے اکبر بادشاہ کے زمانہ میں تحریکوں نے زور پکڑا اور حکومت تک رسائی حاصل کر کے اپنے ومکارانہ اور عیارانہ "فلسفہ رواداری مذاہب" کے نام پر اسلامی تعلیمات میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوششیں شروع کر دی گئیں۔

جبکہ ارشاد ربانی ہے کہ:

" یخدعون اللہ والذین امنوا وما یخدعون "[41]

ترجمہ: "وہ اللہ اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ وہ تو صرف اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں۔ انہیں عقل نہیں ہے۔"

ویسے تو براہ راست قوت اور تشدد کے ذریعے لوگوں کے دلوں سے مذہبی وفاداری کو نہیں نکالا جا سکتا تھا لیکن اگر کسی مذہب میں دوسرے مذہب کی اس طرح ملاوٹ کر دی جائے کہ وہ اپنی خصوصیات کھو بیٹھے تو وقت گزرنے پر اس مذہب کا مٹ جانا یعنی ختم ہو جانا ہے۔

سورۃ الاعراف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

" الحمد للہ الذی ھدىنا لھذا وما کنا لنھتدی لولآ ان ھدىنا اللہ لقد جآءت رسل ربنا بالحق "[42]

ترجمہ: "تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی۔ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو کبھی ہدایت نہ پاتے۔ بے شک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ:

" ان اکرمکم عند اللہ ا تقکم "[43]

ترجمہ: "تم میں اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے"

چنانچہ اکبر کے ساتھ اس کی محفلوں میں صرف ہندو راجے اور ہندو فلسفی ہی نہ رہتے تھے بلکہ اکبر کے ساتھ عبادات خانے میں ہندو زرتشی اور عقلیت پسند ملحد سبھی کا خیر مقدم کیا جاتا تھا اور اس نظریہ کو پسند کیا جاتا تھا جو بادشاہ کی دلچسپی کا موجب ہو۔ ان مختلف الانواع فلسفیانہ خیالات نے اکبر کے ذہن پر گہرے اثرات چھوڑے۔ ظاہر ہے کہ ان کا نتیجہ والحاد کے سوا اور کیا نکل سکتا تھا؟ اکبر نے ان خیالات کو قبول کر کے نہ صرف تشکیک کے لیے راستہ ہموار کیا بلکہ ارتداد والحاد تک نوبت جا پہنچی۔

"ان چیزوں کا اثر یہ ہوا کہ اسلام کا دوسرے مذاہب کے درمیان، بحیثیت مذہب زندہ رہنا مشکل ہو گیا۔ اس کو دبانے اور مغلوب کرنے کی کوشش کی گئی۔"[44]

اس دور میں اسلام کے علاوہ ہر مذہب کی نامعقول بات کو نقص سمجھا گیا اور علمائے اسلام کے علاوہ ہر مذہبی لیڈر کی بات کو برہان قاطع سمجھا گیا اور علمائے اسلام کے علاوہ ہر مذہبی لیڈر کی بات کو برہان قاطع سمجھا گیا۔ اس کو رازی، غزالی سے زیادہ اہمیت دی گئی اور اسلام کی ہر نشانی کا مذاق اڑایا گیا۔ بادشاہ کی ضد کا یہ عالم تھا کہ ہر وہ کام جس کو اسلام نے پسند کیا ہے اسے ناپسند کرتا اور ہر اس کام کو پسند کرتا جو اسلام میں ناپسندیدہ

ہے۔ حضرت شیخ اکبر ابن عربیؒ کے نظریہ توحید وجودی کی غلط تعبیرات کے ذریعے وحدت ادیان کا نظریہ تراشا گیا۔

"نظریہ وحدت الوجود کو نافہمی کی بناء پر غلط رنگ دے کر اکبر کے اعتقادات میں لغزش پیدا کی گئی۔"[45]

اس دور میں اسلام کی اس بے چارگی کو دیکھ کر علماء ومشائخ اسلام کے مجاہدین بن کر اٹھے اور اکبر کے خلاف کفر واقرار کو للکار کر اعلان جہاد کیا۔ دور اکبر میں اسلام کی حالت زار کیسی تھی؟ اس حوالے سے حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز سے بڑھ کر اور کس کی شہادت کی کیا وقعت رکھی ہے؟ جنہوں نے اس دور کی ایک ایک بات کا گہری نظر سے جائزہ لیا تھا۔ حضرت امام ربانی کا جذبہ ایمان وعرفان کس قدر عظیم تھا۔ آپ کی طرف تعلیم وتلقین کسی درجہ موثر اور ہمہ گیر تھی کہ جس نے امت مسلمہ کو ظاہری وباطنی آفات کے تھپڑوں سے بچا کر کشتی اسلام کو کنارے لگا دیا۔

دور اکبری کے اواخر میں علمائے اسلام کے ساتھ خلوت کا رویہ بالکل سخت ہو گیا تھا اور علماء کا قتل عام شروع ہو گیا تھا۔ اس حالات میں آپ نے لوگوں کو سیدھی راہ کی طرف بلایا۔

" ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن"[46]

اور اس آیت کریمہ کے پیش نظر حکمت ودانائی اور رازداری کے ساتھ خاموش تبلیغ کی حکمت عملی اپنائی تاکہ یہ غلط فہمی پیدا نہ ہو کہ یہ اصلاحی تحریک سیاسی مقاصد حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اس سلسلے میں حضرت مجدد الف ثانی نے رسول اکرم ﷺ کے مکی اسوہ حسنہ کو اپناتے ہوئے خاموش تبلیغ کی حکمت عملی وضع فرمائی۔ اس خاموش تبلیغ میں علماء وصوفیاء اور مبلغین کی عملی روحانی تربیت اور باطنی توجہیات وتصرفات کا عنصر بھی شامل تھا۔

جہانگیر لکھتا ہے کہ:

"شیخ کے عقیدت مند ہندوستان کے تمام شہروں میں پھیل گئے ہیں۔"[47]

اس دوران خلفاء ومریدین کے اطراف واکناف میں پھیلا دینے سے آپ کی اصلاحی تحریک بے حد موثر ثابت ہوئی اور ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی آپ کی دعوت عام ہو گئی۔ مکتوبات شریفہ اور دیگر تصانیف لطیفہ کے ذریعے ارباب حکومت اور اصحاب ودانش کی داہنی فکری اور علمی تربیت فرمائی اور روحانی وباطنی تقویت پہنچائی۔ آپ نے ان لوگوں کی اصلاح پر خاص توجہ فرمائی جو حکومت کے اعلی مناسب پر فائز تھے اور انہیں اعلی خطابات سے نوازا گیا۔

اس کے ساتھ ساتھ آپؒ نے صالح اور باکردار علماء کو حکومت کے اہم عہدوں تک پہنچا کر آپ نے امور سلطنت کو اسلام کا جامہ پہنا کر اسلام کی راہیں ہموار فرمائیں۔ اس طرح آپ نے علماء کے غلط کردار اور صوفیاء کے غلط افکار کے لیے انقلابی اقدامات بھی فرمائے۔

"کبر علی المشرکین ما تدعوهم الیه الله یجتبیٓ الیه من یشآء ویهدیٓ الیه من ینیب "[48]

ترجمہ: "وہ بات ان مشکرین کو سخت ناگوار ہوتی ہے جس کی طرف (اے محمد ﷺ) تم انہیں دعوت دے رہے ہو۔ اللہ جسے چاہتا ہے ایسا کر

لیتا ہے اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔"

آپ نے کتاب وسنت سے کامل تمسک کی تحریک پیدا کر کے مسلمانوں میں راسخ الاعتقادی اور راست بازی کا رجحان پیدا کر دیا اور تمام بدعات باطلہ وعقائد فاسدہ کی بیخ کنی کر کے اسلامی تعلیمات کا چہرہ نکھار کر رکھ دیا۔ آج جو مساجد میں اذانیں سنائی دے رہی ہیں اور مدارس سے قال اللہ تبارک وتعالی اور قال الرسول اللہ ﷺ کی دلنواز صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور خانقاہوں میں جو ذکر وفکر کے حلقے قائم ہیں، آستانوں میں جو لا الہ الا اللہ کی ضربین لگائی جا رہی ہیں یہ اہل حق کے چہروں پر جو سنت کا نور ہے اور آنکھوں میں جو محبت کا سرور ہے یہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی تجدید کا جام ظہور ہے۔

آپؒ فرماتے ہیں کہ:

"میں سمجھتا ہوں کہ میری پیدائش سے مقصود یہ ہے کہ ولایت محمدی ﷺ ولایت ابراہیمیؑ کے رنگ میں رنگی جائے اور اس ولایت کا حسن ملامت اس ولایت کے جمال صباحت کے ساتھ مل جائے۔"[49]

آج امت میں فسق وفجور، بے دینی والحاد، بلکہ نوجوانوں میں ذہنی انداد کے حالات پیدا ہوتے جا رہے ہیں اور برابر بڑھتے اور پھیلتے جا رہے ہیں۔ برائیوں کا ایک سیلاب ہے۔ جو امڈ چلا آ رہا ہے اور بڑے بڑے طاقتور جوان اس کی رو میں بسے چلے جا رہے ہیں۔ اس نازک دور میں حضرت مجدد الف ثانی کے کردار وافعال کی ضرورت ہے تاکہ ان کے نقش قدم پر چل کر اس طوفان کا آگے بڑھنے سے روکا جائے۔

خلاصۃ البحث

پس حاصل بحث یہ ہے کہ وحدت الشہود کی ابتدا حضرت جنید بغدادیؒ سے شروع ہوتی ہے۔ آپؒ کے بعد مختلف صوفیاء کرام اس پر بحث کرتے چلے آئے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دور میں اسے باقاعدہ وحدت الشہود کا نام دے دیا گیا اور اسباب واثرات کے حوالے سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اصلاحی تحریک اسلامی اور مذہبی اصولوں پر تھیں۔ آپؒ کا مطمح نظر اسلام کی خدمت تھا۔ آپؒ نے احوال کو دیکھ جدوجہد کی۔ آپؒ نے تمام بدعات سے اور متاخرین کے استحسانات سے بچانے کی کوشش فرمائی ہے اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام □ کے مبارک طریقوں کی پیروی کرنے پر زور دیا ہے۔

حوالہ جات

1. قشیری، ابوالقاسم، عبدالکریم بن ہوازن "الرسالۃ القشیریہ"، بیروت، داراحیاء، اثرات العربی، 1419ھ، ص135
2. جامی، عبدالرحمان، مولانا نقش بندی "نفحات الانس" لاہور، اللہ والے کی قومی دکان، 1907ء، ص337
3. فاروقی، طاہر منصور "حسین بن منصور حلاج"، لاہور، الحمد پبلی کیشنز، س۔ن، ص35-34
4. ایضا، طاسین التوحید، ص125-124
5. ایضا، طاسین الاسرار، ص127
6. ایضا، ص199

7. عابد علی، ماتریدی، مفتی "علم الکلام کی اہمیت، افادیت" لاہور، مراۃ العارفین پبلیکیشنز، مارچ 2021، آخری قسط، ص 3
8. نفحات الانس، ص337
9. ہجویری، علی بن عثمان، سید "کشف المحجوب" مترجم سید ابوالحسنات محمد احمد فاروقی، لاہور، اسلامک فاؤنڈیشن، 1983، ص400
10. ہجویری، علی بن عثمان، سید "کشف المحجوب" مترجم مفتی سید غلام معین الدین، لاہور، شبیر برادرز، 2016ء، ص50
11. عاطف، محتشم خاں "تصوف تاریخ کی روشنی میں" لاہور، فکشن ہاؤس، 2020، ص310
12. محمد نور نبی، ڈاکٹر "امام غزالی اور ان کا نظریہ توحید" دہلی برھان، ص165-166
13. عثمان، بن ابی بکر، بن یونس "شرح کافیہ در تصوف" مترجم میر سید عبدالواحد ابراہیم بن قطب الدین بلگرامی، لاہور، پروگریسو بکس-2018، ص56
14. ایضا، ص37
15. نفحات الانس، ص606
16. محمد سعید احمد مجددی "سعادت العباد شرح مبداومعاد" گوجرانوالہ، تنظیم الاسلام، پبلی کیشنز، 2016، ص267
17. شیخ احمد، سرہندی، "مکتوبات امام ربانی"، مترجم مولانا قاضی عالم الدین نقشبندی مجددی، لاہور، اکبر بک سیلر، 2013ء، دفتر اول، مکتوب 11
18. محمد انور علی، سہیل فریدی "جہان تصوف" لاہور، مسعود پبلشرز، 2012ء، ص49
19. سعادت العباد، شرح مبداومعاد، ص268
20. ایضا، ص520
21. مکتوبات، امام ربانی، دفتر اول، مکتوب 43
22. برہان احمد فاروقی، ڈاکٹر "کلیات باقی باللہ" لاہور، ملک دین محمد اینڈ سنز، س۔ن، ص12
23. محمد عبدالرسول للہی، پروفیسر "تاریخ مشائخ نقش بندیہ" لاہور، زاویہ پبلشرز، 2018، ص279
24. محمد نذیر رانجھا، ڈاکٹر "خواجگان نقش بند" میانوالی، خانقاہ سراجیہ نقش بندیہ مجددیہ، 2014، ص240
25. ایضا، ص239
26. کلیات باقی باللہ، ص176
27. محمد اکرام "رود کوثر" مطبوعہ، لاہور، 1957ء، ص261
28. کلیات باقی باللہ، ص15
29. آباد شاہ پوری "حضرت مجدد کے سیاسی مکتوبات" لاہور، مکتبہ چراغ اسلام، 1985ء، ص57
30. جاوید قاضی، "ہندی مسلم تہذیب" لاہور، تخلیقات، 1995، ص304
31. عزیز احمد، پروفیسر "برصغیر میں اسلامی کلچر" مترجم ڈاکٹر جمیل جالبی، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1990، ص288
32. "ماہنامہ حکمتہ القران" لاہور، مرکزی انجمن خدام القران، جولائی 1991ء، ص34-33
33. مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب 195
34. مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب 67

35. فاروقی، برہان احمد، ڈاکٹر "حضرت مجدد الف ثانی کا نظریہ توحید" لاہور، انسیہ ادب 1974ء، ص 43
36. ندوی، معین الدین احمد شاہ، "مقالات سلیمانی" اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن 1989ء، حصہ دوم، ص 35-34
37. نجم الاسلام "دین و ادب" حیدر آباد، ادارہ اردو، 1989ء، ص 99
38. مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب 57
39. الازہری، کرم شاہ، پیر "ضیاء النبی ﷺ" لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، 2015، جلد اول، ص 170
40. مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب 92
41. البقرہ 9:2
42. الاعراف 43:7
43. الحجرات 13:49
44. محمد عبد الخالق انصاری، ڈاکٹر "تصوف اور شریعت" لاہور، تصوف فاؤنڈیشن، 2011ء، ص 102
45. محمد سعید احمد مجددی، ابو البیان، پیر "سرمایہ ملت کا نگہبان" گوجرانوالہ، تنظیم الاسلام پبلیکیشنز، 2016، ص 47
46. النحل 16:125
47. نور الدین، جہانگیر "تزک جہانگیری" تحقیق سید احمد خاں، علی گڑھ، 1864، ص 272
48. الشوری 13:42
49. مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب 6